The Journal of Arts, Sociology and Humanities
Vol 2 No 1 Mar 2024
The Journal of Arts, Sociology and Humanities (The JASH)
thejash.org.pk
principal@thejash.org.pk

برصغیر کے صوفیاء کرام کا مثالی تبلیغی و سیاسی کردار

محمد باقر خان خاکوانی

خلاصہ

صوفیاء برصغیر اپنے وقت کے بہترین علماء مدبر، منصوبہ ساز،مفکر ، بیدار مغز لیڈر، حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے، عوام الناس میں گہرے اثر و نفوذ کے حامل اور بیک وقت ہمہ جہتی اور کثیر الجہتی کردار ادا کرنے والے قائدین اور عظیم ترین انسانوں میں سے تھے۔ یہ تمام صوفیاء کرام قطعی طور پر خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات کرنے والے نہیں تھے بلکہ انہیں کی مساعی اور قابل قدر علمی سماجی ، فلاحی، سیاسی ، معاشی اور معاشرتی کردار کی وجہ سے برصغیر میں مسلمانوں اقلیت ہونے کے باوجود ایک ہزار سال تک حکمران رہے، اس آفتاب تصوف کے غروب ہوتے ہی مسلمانوں کا اقتدار بھی غروب ہو گیا اور اپنا دامن سمیٹ گیا۔

ان حالات میں دور حاضر کے علماء کرام اور سکالر حضرات کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اسلامی تحریک تصوف کا احیاء کریں اخوت رواداری اور بنی نوع انسان سے الفت کے درس کو مسلمانوں میں عام کریں۔ مزید صوفیاء کے کردار کو مسلمانوں میں اجاگر کرکے دنیا میں دوبارہ حقیقی اسلامی حکومت کو قائم کرنے میں اپنا بھر پور کردار ادا کریں جو اس خطہ کے صوفیاء کا مقصد اولین تھا۔(واللہ اعلم)

سفارشات

۱۔ عالم اسلام میں تمام علمی حلقہ دوبارہ حقیقی علم تصوف کے احیاء کے لیے مساعی کا آغاز کریں تا کہ دوبارہ اشاعت اسلامی حقیقی بنیادوں پر ہو سکے۔

۲۔ مسلمانوں کے تمام علمی ادارے تصوف کی حقیقی تعلیمات اور صوفیاء اسلام کے کارناموں کو اپنے تعلیمی نصاب اور بقیہ سرگرمیوں کا حصہ بنائیں تا کہ تشنگان علم ان سے آگاہ ہوں۔

۳۔ مسلم ممالک کی تمام یونیورسٹیاں، کالج مزید اعلی تعلیمی ادارے مغربی افکار کے حامل نام نہاد اور مخالف اسلام وحدت ادیان کے قائل مغربی ومشرقی شخصیات سے کنارہ کشش ہونے کی کوشش کریں اور ہمارے صوفیاء کے اعلی افکار اورحقیقی اسلامی علم تصوف کی اشاعت کے لیے بھر پور جدوجہد کریں۔

آغاز مضمون

تصوف کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ مسلمانوں کے نبی محمدﷺ ایک ایسا دین قیم لے کر معبوث ہوئے ہیں جس میں ایک مکمل اور جامع نظام زندگی موجود ہے اور اس نظام کی بنیاد وحی الٰہی ہے نہ کہ انسانی عقلِ خام۔ اس نظام میں جہاں انسان کی ماوی، جسمانی اور تمدنی زندگی کے لیے ہدایات ہیں وہیں اس کی روحانی، اخلاقی اور تہذیبی زندگی کے لیے بھی قیامت تک ہر دور کے تقاضوں کے مطابق انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے رہنما اصول موجود

ہیں۔ اس کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس دین نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں نوع انسانی کو بہترین طریقہ سے کامیاب زندگی گزارنے کے لیے فطری و آسان اصول و ضوابط مہیا کیے ہیں۔ زندگی گزارنے کے تمام اصول و ضوابط خواہ وہ معاشرتی ہوں، معاشی ہوں، سیاسی ہوں، قانونی ہوں یا ان کا تعلق اخلاقیات اور تہذیب و تمدن کے انفرادی، اجتماعی، قومی یا بین الاقوامی امور سے ہو، اس کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، ان کی بنیاد قرآن و سنت ہے اور ابتداء اسلام سے آج تک اپنے ان اصول و ضوابط میں یہ کسی اور نظریہ،سوچ، فکر، مذہب یا نقطہ نظر کا محتاج نہیں ہوا۔

تاریخ اسلام میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اورعلم الکلام کی طرح علم تصوف بھی ایک عالمگیر علمی اسلامی تحریک کی صورت میں ابھرا اور اس کے علمبر دار صوفیاء کرام نے سارے عالِم اسلام میں بنی نوع انسان کی بے لاگ خدمت، اسلام کی تبلیغ، رشد و اصلاح اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے کا فریضہ سر انجام دیا۔ یہی وہ تحریک تھے جس کی وجہ سے برصغیر میں اسلام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوا اور پھر اس دین کو ایک عالمگیر دین کو حیثیت حاصل ہوئی۔ اکیسویں صدی کے برصغیر اور عالم اسلام کے جس کونے میں بھی چلے جائیں وہاں صوفیاء کرام کے تبلیغی مساعی کے اثرات اور ان کے نام آج بھی زندہ جاوید ہیں۔ علوم اسلامیہ میں ابتداء سے لے کر اکیسویں صدی تک اسے علم تصوف کہا جاتا ہے صوفی ازم یا Mysticism نہیں کہا جاتا۔[1]

اسلامی تحریک تصوف کا بقیہ علوم اسلامیہ سے تعلق:

مسلم علماء،تصوف کو ایک علیحدہ فکر، نئی سوچ، نیا نظریہ یا کوئی اور ازم و لائحہ عمل نہیں بلکہ علوم اسلامیہ کی ایک شاخ تصور کرتے ہیں۔ جس طرح باقی تمام علوم اسلامیہ مثلاً تفسیر، حدیث اور سیرۃ النبی ﷺ اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، تاریخ اسلام، عقائدہ وغیرہ اسلامی علوم ہیں اسی طرح تصوف بھی ایک اسلامی علم ہے۔ اس کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی، اور یہ بات ایک چیلنج کے طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ابھی تک یہ علم مسلمانوں میں ہی ہے اور غیر مسلم مثلاً یہودی، عیسائی، ہندو، بدھ مت وغیرہ میں علم تصوف ہے اور نہ ہی صوفی نام کی شخصیات اور صوفیاء کرام کی کوئی تاریخ ہے۔ اس علم کا بھی باقی تمام علوم اسلامیہ کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے گویا کہ علوم اسلامیہ اور علم تصوف لازم و ملزوم ہیں۔ مثلاً علم تصوف کا علِم فقہ کے ساتھ تعلق ہے جو کچھ اس طرح ہے۔[2]

امام مالک بن انس فرماتے ہیں کہ جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف کو نہ اپنایا وہ راہ راست سے دور ہو گیا اور جس نے صرف تصوف کو اپنایا اور علم فقہ حاصل نہ کیا وہ گمراہ ہو گیا اور جس نے ان دونوں علوم کو حاصل کر لیا وہ راہ حق پا گیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی رائے میں تصوف، طریقت و حقیقت یا راہ سلوک کو وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن مجید ہو اور بائیں ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہو، وہ ان دونوں کی روشنی میں بڑھے تاکہ شبہات کے گڑھوں اور بدعات کے اندھیروں میں نہ گرے۔[3] مجد الف ثانی مکتوبات میں اسلامی تصوف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شریعت کے تین جزء ہیں ۱۔ **علم**،۲۔ **عمل**،۳۔ **اخلاص**۔ **طریقت** اور **حقیقت** دراصل تیسرے جزء اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہیں۔ یعنی ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر اس کے علاوہ مطلوب

---

[1] مولانا مودودی

[2] مولانا مودودی

[3] صارم عبدالصمد

ہے۔ تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت رسول اللہ ﷺ یعنی شریعت کی متابعت ہے اور تمام فساد کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے[4]۔

دوسری صدی ہجری میں علوم اسلامیہ کی مختلف شاخوں، علم تفسیر، علم حدیث، علم الفقہ، علم الکلام وغیرہ کے ساتھ علم تصوف بقیہ علوم کی طرح ایک ماہرانہ علم کی طرح پھیل کر خدمت اسلام میں مصروف ہو گئے اور اس کے ماہرین صوفیاء کرام تمام عالم اسلام

تمام عالم اسلام کے صوفیاء کرام نے اپنے اپنے علاقوں میں صرف رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقوں کے مطابق تبلیغ اسلام اور رشد و صلاح کے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ عالم عرب میں عراق، شام، مصر، مراکش، الجزائر، تیونس وغیرہ میں اور عالم عجم میں ترکی، ایران، ایشیاء کوچک کے ممالک، افغانستان، برصغیر، برما، مشرق بعید اور یورپ کے ملک اندلس یا ہسپانیہ میں ان کے کارنامے قابل ذکر ہیں۔ اندلس کی صوفیاء کے برعکس برصغیر کے صوفیاء کرام کے تمام سلاسل نے یہاں علمی موشگافیوں اور نئے فلسفہ کی دریافت کے بجائے بلا تفریق رنگ و نسل نوع انسانی کی خدمت، اسلامی حکومت کے بنیادوں کی مضبوطی، تبلیغ دین اور رشد وہدایت کی طرف اپنی پوری توجہ مرکوز کی اور دین کی دعوت کو نامساعد اور کٹھن ترین حالات میں بھی برصغیر کے تمام علاقوں میں پہنچایا۔ ان کی مساعی کی بدولت دو سو سال سے برصغیر میں مسلم حکومت کے خاتمے کے باوجود اب بھی تین اسلامی سلطنتیں چاہے وہ برائے نام ہیں لیکن موجود ہیں اور کون سا ایسا علاقہ ہے جہاں مسلمان کثیر یا قلیل تعداد میں موجود نہ ہوں۔ یہاں کے صوفیاء کرام نے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے شہر، قصبات، گاؤں بستیاں اور ہر زیادہ یا کم آباد علاقہ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسلام کا مرکز بنانے کی بھر پور نہیں بلکہ بھر پور ترین کوشش کی اور اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

اب صوفیاء برصغیر کے کثیر الجہاتی مساعی کا جائزہ لیا جائے گا۔

صوفیاء برصغیر کا اشاعت اسلام میں قابل فخر کردار:

آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے قدم مبارک کا برصغیر میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام سے تبدیل ہو گئی ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے۔جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرہ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

آپکے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اندھیرے میں اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ آپ کے پاکیزہ اخلاق، صاف ستھری زاہدانہ زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی اور بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانون سے محبت اور انسانیت کا احترام یہ وہ بلند ترین صفات تھیں جنھوں نے دشمنوں کو بھی دوست بنایا۔[5]

مسلمانوں میں محدثین، فقہاء، متکلمین، مورخین وغیرہ کے برعکس جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغ دین اورمسلمانوں کی حکومت کے قیام کے شوق میں سر گرم رہی ہے وہ یہی صوفیائے کرام کی جماعت ہے۔ برصغیر میں اولیاء صوفیاء نے جس بے نظیر استقلال اور دینی شغف کے ساتھ اسلام کی روشنیوں کو پھیلایا ہے وہ اپنے اندر ایک عمیق درس بصیرت رکھتا ہے۔ یہاں کے سب سے بڑے اسلامی مبلغ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ تھے جن کی برکت سے راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور جن کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین تمام اقطاع ملک میں اسلام کی شمع ہدایت لے کر پھیل گئے۔ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے دہلی کے اطراف اور اُن کے خلیفہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے علاقہ

---

[4] مکتوبات امام ربانی

[5] فلاح عبید اللہ

پنجاب میں، حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے دہلی اور اس کے نواح میں حضرت سید محمد گیسو درازؒ، حضرت شیخ برہان الدینؒ اور حضرت شیخ زین الدینؒ اور آخر زمانہ میں (اورنگ آباد کے) حضرت نظام الدینؒ نے ملک دکن میں اور دور آخر میں حضرت شاہ کلیم اللہ آبادی نے دہلی میں مرحوم ... دعوت الی الحق اور تبلیغ اور اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔ ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں میں سے پنجاب کے سب سے پہلے اسلامی مبلغ حضرت سید اسماعیل بخاریؒ تھے جو پانچویں صدی ہجری میں لاہور تشریف لائے تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ لوگ ہزار ہا کی تعداد میں ان کے ارشادات سننے آتے تھے اور کوئی شخص جو ایک مرتبہ ان کا وعظ سن لیتا اور اسلام لائے بغیر نہ رہتا۔

مغربی پنجاب میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سب سے زیادہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کو حاصل ہے۔ علاقہ بہاولپور اور مشرقی سندھ میں حضرت سید جلال بخاریؒ کے فیضان تعلیم سے معرفت حق کی روشنی پھیلی اور ان کی اولاد میں سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے پنجاب کے بیسیوں قبائل کو مسلمان کیا۔ ایک اور بزرگ حضرت سید صدر الدینؒ اور ان کے صاجزادے حضرت سید کبیر الدینؒ بھی پنجاب کے بہت بڑے اسلامی مبلغ تھے۔ حضرت حسن کبیر الدینؒ کے متعلق تواریخ میں لکھا ہے کہ ان کی شخصیت میں عجب کشش تھی۔ محض ان کو دیکھ لینے سے دل پر اسلام کی عظمت و صداقت کا نقش مرتسم ہو جاتا تھا اور لوگ خود بخود ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

سندھ میں اشاعت اسلام کا اصلی زمانہ وہ ہے جب حکومت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ آج سے تقریباً چھ سو برس پہلے حضرت سید یوسف الدینؒ وہاں تشریف لائے اور ان کے فیض سے لوہانہ ذات کے سات سو خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔

کچھ اور گجرات میں حضرت امام شاہ پیرانویؒ اور ملک عبدالطیفؒ کی مساعی سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔

بنگال میں سب سے پہلے شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے اس مقدس فریضہ کو سر انجام دیا تھا۔ جو حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید ان خاص میں سے تھے۔

آسام میں اس نعمت عظمیٰ کو حضرت شیخ جلال الدین فارسیؒ اپنے ساتھ لے گئے جو سلہٹ میں مدفون ہیں۔

کشمیر میں اسلام کا علم سب سے پہلے بلبل شاہؒ نامی ایک درویش نے بلندکیا اور ان کے فیضان صحبت سے خود راجہ مسلمان ہو گیا جو تاریخوں میں صدر الدین کے نام سے مشہور ہے۔ پھر ساتویں صدی ھجری میں سید علی ہمدانیؒ جن کو شاہ ہمدان اور علی کبیر بھی کہا جاتا ہے سات سو سیدوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور تمام خطۂ کشمیر میں اس مقدس جماعت نے اس نور عرفان کو پھیلایا۔ حضرت عالمگیرؒ کے عہد میں شاہ فرید الدین نے کشتوار کے راجہ کو مسلمان کیا اور اس کے ذریعہ علاقہ مذکور میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

دکن میں اسلام کی ابتدا پیر مہا بیر کھمدایت سے ہوئی جو آج سے سات سو سال پہلے بیجا پور تشریف لائے تھے ایک بزرگ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے علاقہ کو نکن کے ہادی اور رہبر تھے۔

وہاواڑ کے لوگ اپنے اسلام کو حضرت شیخ ہاشم گجراتی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو ابراہیم عادل کے پیر طریقت تھے۔ناسک میں حضرت محمد صادق سرمستؒ اور خواجہ اخوند میر حسنیؒ کی برکات روحانی کااب تک اعتراف کیا جاتا ہے۔ مدراس بھی اپنی ہدایت کے لیے چند صاحب حال بزرگوں کا رہین منت ہے، جن میں سب سے زیادہ مشہور سید نثار شاہ مد فون ترچناپلی ہیں۔ دوسرے بزرگ سید ابراہیم شہیدؒ ہیں جن کا مزار ارداری میں ہے اور تیسرے بزرگ شاہ الحامدؒ ہیں جن کا مدفن ناگور میں واقع ہے۔

نیو گنڈا کی طرف مسلم آبادی عام طور پر اپنے اسلام کو حضرت بابا فخر الدینؒ کی طرف منسوب کرتی ہے جنہوں نے وہاں کے راجہ کو مسلمان کیا تھا۔[6]

صوفیاء برصغیر کا عظیم سیاسی کردار:

سیاست بھی دین اسلام کا حصہ اورعلم تصوف کی طرح علوم اسلامیہ کی ایک شاخ ہے۔ اس کو علم سیاسیات کہتے ہیں۔ صوفیاء کرام جہاں باقی علوم اسلامیہ کے ماہر تھے وہیں وہ علم سیاسیاست میں بھی گہرائی اور گیرائی کے حامل تھے۔ سیاست کے اہم موضوع درج ذیل ہیں:

۱۔ نیک حکمرانوں کی تخت نشینی کے لیے کوشش کرنا

۲۔ حکمرانوں کو وعظ و نصیحت کرنا

۳۔ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا

۴۔ حکمرانوں کے ساتھ بھلائی کے امور میں تعاون کرنا

۵۔ عوام کے مسائل کو حکمرانوں سے حل کرانے کے لیے کوششیں کرنا

۶۔ اسلامی سلطنت کی توسیع کے لیے حکومت کی مدد کرنا

۷۔ حکومت کو فلاحی ریاست بنانے کے لیے مختلف منصوبے پیش کرنا

۸۔ اسلامی حکومت کو قائم و دائم رکھنے اور اس کے خلاف سازشوں کو نا کام کرنے کی کوشش کرنا وغیرہ۔[7]

برصغیر کے صوفیاء کرام نے سیاست کے ان تمام امور میں بھر پور دلچسپی لی اور مختلف ادوار میں ان تمام امور سے متعلق اسلامی شریعت کی روشنی میں جامع کردار ادا کیا جن کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔

صوفیاء کے سیاسی کردار کی حقیقت:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ایک خط میں لکھتے ہیں کہ تصوف کے نقطہ نظر سے دین کے دو بازو ہیں، التعظیم لامراللہ اور الشفقۃ علی خلق اللہ ۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی عزت کرنا اور اس کی مخلوق سے شفقت کا برتاؤ کرنا ان دونوں کی وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''التعظیم لا مر اللہ کا مقام بہت اعلیٰ ہے، اسلام کا کلمہ بلند کرنا، دین و ملت کی تائید و مدد کرنا، اس کو مضبوط و مستحکم کرنا ایسی شان اور ایسا مرتبہ ہے جو سب مرتبوں سے بالا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور بارگاہ نبوت اور درگاہ نبوت میں اسلامی حکومت کو تقویت دینے سے زیادہ قبولیت کا کوئی کام نہیں ہوسکتا ہے۔یہی وہ صفت ہے اور اس سے بلند تر کوئی صفت نہیں"۔[8]

حکمرانوں کی تبدیلی میں صوفیاء کا سیاسی کردار:

شہنشاہ ہندوستان محمد تغلق کی وفات کے وقت جانشینی کے مسئلہ میں حضرت نظام الدین اولیاء اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت نصیرالدین چراغ دہلی نے بھر پور سیاسی کردار ادا کیا۔ آپ تمام امیدواران تخت میں سے فیروز تغلق جو شہنشاہ کا چچا زاد بھائی تھا کی حمایت کر رہے تھے اور اس کے لیے کوشش بھی کر رہے تھے۔اس مساعی کے دوران حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے خُلق سے مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کرو گے۔ ورنہ ان

---

[6] مودودی تصوف و تعمیر سیرت

[7] ابن خلدون

[8] شیخ عبدالحق محدث دہلوی

نیک بندگان خدا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے۔ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ ''میں خلقت خدا کے ساتھ حلم و بردباری کروں گا اور اتفاق و محبت سے ان پر حکمرانی کروں گا''۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر تم خلق خدا کے ساتھ خُلق و مروت کرو گے تو ہم نے بھی تمہارے لیے خدا سے حکومت طلب کی[9]۔ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ حضرت باقی باللہ جو مجدد الف ثانیؒ کے پیر و مرشد ہیں، کے مکتوبات و ملفوظات کے مطالعہ سے جو تصویر سامنے آتی ہے اس میں صوفیاء کرام کے سیاسی کردار کے بارے میں اصولی سختی اور حکیمانہ نرمی کا امتزاج بڑا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے[10]۔

آپ نے اس اصول پر نہ صرف عمل کیا بلکہ لوگوں کو بھی عہد اکبری کے بڑے بڑے سردار اور امرء میں شامل کرایا۔ نواب مرتضی خان جس کی مدد سے جہاں گیر تخت نشین ہوا، حضرت خواجہ کو بڑا معتقد تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے عقیدت مندوں سے بخشی الملک شیخ فرید خلیج خاں حاکم پنجاب، مرزا کوکہ امیر الامراء مرزا عبدالرحیم خان خاناں سپہ سالارو کن، صدر کن، جہاں صدر الصدور اور ابو الفضل کے بہنوئی خواجہ حسان الدین شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح آپ کی بروقت کوششوں سے مسلم تہذیب و تمدن کو بنانے کے لیے جدوجہد کا آغاز ہو گیا اور آپ نے آپ اپنے سیاسی کردار کے ذریعہ منتشر اور پراگندہ قوتوں کو یکجا جمع کر دیا۔[11]

ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کا سیاسی کردار:

برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے زمانے میں ناصر الدین قباچہ جو برصغیر کے حکمران سلطان محمد غوری کا غلام تھا، ملتان کا گورنر تھا۔ غوری کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کی وفات تک تو وہ بادشاہ دہلی کا وفادار صوبیدار بنا رہا۔ لیکن ایبک کی موت کے بعد جب اس کا غلام شمس الدین التتمش بادشاہ ہوا تو قباچہ نے بھی خود مختاری کا ارادہ کیا جو ہندوستان میں نئی اسلامی سلطنت کےانہدام کا باعث بن سکتاتھا۔ شیخ بہاء الدین زکریا اور قاضی شرف الدین، قاضی ملتان نے خط لکھ کر التتمش کو اس کے منصوبوں کو اطلاع دینی چاہی۔ قضا دونوں کے خط قباچہ کے ہاتھ جالگے۔ قاضی کو تو اس نے فوراً قتل کر دیا اور شیخ سے باز پرس شروع ہوئی۔ شیخ نے صاف کہا کہ یہ خط میں نے لکھا ہے اور ارشاد الٰہی کے مطابق لکھا ہے۔ تمہاری کوششوں سے سوائے مسلمانوں کا خون بہنے کے اور کچھ نہ ہو گا۔ شیخ کا ملتان میں اتنا اثر تھا کہ ناصر الدین قباچہ کو انہیں آزار پہنچانے کی ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر اس نے التتمش کے خلاف بغاوت کی اور التتمش اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کہ وہ دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا اور اس کی جگہ ایک نیا صوبیدار مقرر ہوا۔[12]

حکمرانوں کے ساتھ ذاتی تعلقات قائم کر کے ان کو پندو نصائح کا سیاسی کردار:

تاریخ فیروز شاہی میں قطب الدین ایبک کے دور کے ایک صوفی بزرگ شیخ نور الدینؒ مبارک سے بادشاہ کے دربار میں ایک طویل وعظ منسوب کیا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ بادشاہوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اسلام کے لیے ''دین پناہ'' بنیں اور اس کے چار لوازمات ہیں۔ **اول** یہ کہ وہ اسلام کی محبت کو برقرار رکھیں اور اپنے زور وقوت کو اعلائے کلمتہ الحق اور شعائر اسلام کو بلند کرنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں صرف کریں۔ **دوسرے** ان پر فرض ہے کہ اہل اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان فسق و فجور اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوط کے ذریعے بالکل ختم کر دیں۔ **تیسرے** یہ کہ احکام دین محمدی کے اجراء کے لیے صرف اہل تقویٰ، زہد، خدا ترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں اور بددیانت،

---

[9] برنی۔ ضیاء الدین

[10] مکتوبات امام ربانی

[11] فلاحی، عبید اللہ

[12] محمد اکرم شیخ

دنیا پرست لوگوں کے ہاتھ میں اختیار نہ دیا جائے۔ چوتھی ضرورت عدل و انصاف میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرے اور ظلم و تعدی اس کے ملک میں بالکل نہ ہو[13]۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن الدین کے بارے میں مرقوم ہے کہ مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ آپ کے دل میں موجزن رہتا تھا اور سلاطین دہلی آپ سے بے حد متاثر تھے اور مخلصانہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ آپ کی طاقت تمام طاقتوں پر غالب تھی۔ آپ کے مقابلے کی کسی میں بھی تاب نہ تھی۔ آپ نے غرباء مساکین کی اعانت کے سلسلے میں ملتان سے دہلی کا سفر کئی بار اختیار کیا اور ایک مخلوق خدا کو اپنے فیض سے مستفیض فرمایا۔آپ کا معمول تھا کہ جب بھی دہلی تشریف لے جاتے تو اس بات کا ضروری خیال رکھتے تھےکہ عوام سے رابطہ قائم رہے کیونکہ عوام کی عرضیاں سلطان تک پہنچانی ہوتی تھیں اور آپ اپنی پالکی کو عرضیوں کی خاطر کھلا رکھتے تھے۔ علاء الدین خلجی کے بعداُس کا بیٹا قطب الدین نے بھی اس طرح آپ کا احترام کیا اور آپ کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا۔ محمد تغلق کو بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے بعد فیروز تغلق نے بھی آپ کا انتہائی احترام کیا اور ہمیشہ مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتا یا خط و کتاب کے ذریعہ مشورہ لیتا۔[14]

حکمرانوں سے عوام کے لیے امن طلب کرنے کا سیاسی کردار:

اسی طرح نقل ہے کہ جب ۱۲۵۷ء میں منگول ملتان میں داخل ہو گئے اور برج اور مورچے گراکر شہرمیں قتل وغارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم العالم شیخ بہاء الدین زکریا ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے اور مغلوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچایا۔ شہنشاہ فیروز شاہ تغلق اچ شریف کے مشہور سہروردی بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں کا بڑا ادب کرتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ٹھٹھہ سندھ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے اس شہر کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس شہر کے لوگ دوسری مرتبہ بغاوت کر رہے تھے۔ لہذا وہ انہیں سخت ترین سزا دینا چاہتا تھا اس کا دل ان کے خلاف غصے اور جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا لیکن اس نے مخدوم جہانیاں کی سفارش پر انہیں بالکل معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔

حکمرانوں سے خلق خدا کے مسائل حل کرانے کا سیاسی کردار:

قطب الاقطاب حضرت رکن الدین ملتانیؒ کا معمول تھا کہ وہ جب علاء الدین خلجی کے بیٹے شہنشاہ ہند قطب الدین کے پاس جاتے تو تیسرے دروازہ کے قریب جو سلطان کی تعظیم وتکریم کے لیے ہوتا وہ اتر جاتے۔ سلطان بڑےادب سے دربار میں لے جا کر آپ کو بٹھاتا اور خود مؤدب دو زانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھتا۔ اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے وہ ہر ایک درخواست کو غور سے پڑھتا اور ان کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا۔ حضرت شیخ رکن الدین واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے۔ آپ جب ملتان سے دہلی جاتے کا ارادہ فرماتے تو دہلی کے شہر میں اعلان کر دیا جاتا کہ جس شخص کو بادشاہ سے کچھ عرض کرنا مقصود ہو تو وہ درخواست لکھ کر حضرت شاہ رکن عالمؒ کو پیش کر دے۔ لہذہ اپ کی سواری کے ساتھ ساتھ عرض مند درخواست پیش کرنے کی تحریک شروع کر دیتے اور آپ درخواستیں اکٹھی کر کے سلطان کے پاس لے جاتے اور دھلی سے ہی رعایا کی تکالیف کے بارے میں احکامات جاری کراتے اور اپنی موجودگی میں ہی تمام شکایات دور کراتے۔[15]

---

[13] برنی ضیاء الدین

[14] محمد منظور خان جاوید

[15] امتیاز حسین شاہ

خلق خدا کے مسائل حل کرانے کا ایک عظیم واقعہ:

پنجاب میں اُچ شریف کے صوفی بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جس ہمت و استقلال کے ساتھ دوسرے سہروردی بزرگوں کی طرح اپنے اثر و رسوخ کو حاجت مندوں کی مطلب براری کے لیے صرف کرتے تھے۔اس کی سیر العارفین میں ایک دلچسپ مثال درج ہے۔ شیخ جمال لکھتے ہیں کہ فیروز تغلق کا وزیر خان جہاں تلنگی جو سندھ کا حکمران تھا، شروع میں حضرت کا مخالف تھا۔ ایک دفعہ سندھ کے حکمران خان جہاں نے ایک سید کے بیٹے کو کسی بات پر قید کرلیا۔ اس کا باپ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس پہنچا اور آپ خان جہاں کے پاس سفارش کے لیے گئے۔ لیکن اس نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ نہ میں شیخ سے ملوں گا اور نہ ان کی سفارش مانوں گا۔ اس سے کہہ دو کہ میرے دروازے پر نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ انیس 19 مرتبہ خان جہاں کے دروازے پر گئے اور ہر دفعہ یہی جواب سنا۔ انیسویں مرتبہ خان نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اے سید کیا تم میں ذرہ بھی غیرت نہیں کہ میں نے اتنی مرتبہ جواب دیا اور تم پھر بھی چلے آتے ہو۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے جواب دیا میں جتنی مرتبہ آتا ہوں اُس کا ثواب مجھے مل جاتا ہے لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہاری قید سے رہائی دلواؤں تا کہ اس کا نیک اجر تمہیں بھی ملے۔ یہ سن کر خان جہاں کا دل نرم ہوا۔ وہ باہر آیا حضرت شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور ان کے ارشاد کی تکمیل کی۔[16]

صوفیاء برصغیر کی رواداری:

برصغیر میں صوفیاء کرام جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین اور علوم شرعیہ کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھے کی سب سے بڑی خوبی رواداری، خوش اخلاقی اور تمام انسانوں سے قلبی محبت ہوتی تھی۔ مشائخ ہند میں سلسلہ چشت کے بزرگ اور نظام الدین اولیاء اللہ کے خلیفہ حضرت چراغ دہلیؒ جس پایہ کے بزرگ گزرے ہیں اس کا کچھ اندازہ ان کے حالات اور کارناموں سے ہو گیا ہو گا۔ لیکن افسوس انہیں فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کے بعد بہت دن جینا نصیب نہ ہوا۔ سیر العارفین میں شیخ جمالیؒ لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ بعد ادائے نماز ظہر حجرہ خاص میں تشریف رکھتے تھے اور درود و ظائف میں مشغول تھے۔ آپ کے دروازے پر کوئی دربان معین نہ تھا۔ فقط آپ کا خاہر زادہ شیخ زین الدین علی، خادم خاص کی طرح آپ کے پاس رہتا، لیکن وردو و ظائف کے وقت وہ کبھی حاضر ہوتا اور کبھی ادھر ادھر چلا جاتا۔ آپ و ظیفہ خوانی میں مشغول تھے کہ ترابی یا تراب نام کا ایک قلندر آیا اور اس نے چھری سے آپ کے کوئی گیارہ زخم لگائے۔ آپ عبادت میں مشغلول تھے، اس لیے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ لیکن جب حجرے کی نالی سے خون آلودہ پانی بہنا شروع ہوا تو بعض مریدوں کو جو باہر تھے، تشویش پیدا ہوئی۔ اندر آئے تو دیکھا کہ وہ نا بکار چھری چلا رہا ہے اور حضرت اف نہیں کرتے۔ انہوں نے چاہا کہ قلندر کو اس کے کیے کی سزا دیں۔ لیکن حضرت مزاحم ہوئے بلکہ اپنے منتخب مریدوں سے اس امر کا عہد لیا کہ قلندر سے کسی طرح کا مواخذہ نہ کریں گے اور قلندر کو بیس تنگے عطا کیے اور بہت عذرو معذرت کے بعد رخصت کیا۔[17]

نتائج بحث

سطور بالا میں اسلامی تصوف کی حقیقت،اُس کی بنیاد قرآن و سنت اور صوفیا کرام کے فرائض کو بیان کرنے کی روز روشن کی طرح دلائل و براھین کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ بات بھی آشکارہ کی گئی ہے کہ یہ علم تصوف صرف مسلمانوں کے ہاں اسی نام سے مروج تھا اور رہیے گا۔ مزید دورِ حاضر کی اصطلاحات کا نہ علمِ تصوف سے تعلق

---

[16] محمد اکرم شیخ

[17] محمد اکرم شیخ

تھا اور نہ مستقبل میں ہو سکتا ہے۔کیاصوفی ازم Sofism یا Mysticism کی بنیاد رسول اکرمﷺ اور اُن کے صحابہ کرام کے طریقہ کار کے مطابق ہے؟ اور ان کی ذمہ داری تبلیغ اسلام اور اسلامی حکومت کو تقویت دے کر عام لوگوں کو مسلمان کرنا ہے؟

حوالے و حواشی

1. مودودی مولانا۔ تصوف و تعمیر سیرت ص۱۰۳۔۱۰۵
2. مودودی مولانا ۔تصوف و تعمیر سیرت ص ۳۸
3. صارم عبدالصمد۔ تاریخ تصوف: ۳۵۔ لاہور ۔ مکتبہ تعمیر ملت: ۱۹۹۲
4. مکتوبات امام ربانی۔ شیخ احمد فاروقی سہندی۔ مکتوبات دفتر اول بنام قلیج خان
5. فلاح عبید اللہ تاریخ دعوت و جہاد۔ ص ۷۶
6. مودوی تصوف و تعمیر سیرت۔ ص ۱۰۳۔۱۰۵۔ (منتخب تحریریں: مؤلف عاصم نعمانی)، لاہور۔ اسلامک پبلشرز: ۱۹۸۰
7. ابن خلدون (۵۰۵)م۔ مقدمہ ابن خلدون۔ طبع بیروت۔ خلاصہ صفحہ ۱۱۳۔ مزید گوہر رحمان مولانا۔ اسلامی سیاست۔ مردان دارالعلوم تفہیم القرآن ۱۹۸۲۔ ص ۱۹
8. شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مکتوبات شیخ عبد الحق۔مترجمہ قاضی احمد عبدالصمد۔ کراچی۔ ادارہ معارف اسلامی۔ (ت۔ن) ۵۴۱
9. برنی۔ ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مترجم جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ (ت۔ن) ص ۲۵
10. مکتوبات امام ربانی۔ مترجمہ قاضی عالم دین۔ حیدر آباد دکن۔ اللجنۃ العلمیہ (ت۔ن) ص ۲۶
11. فلاحی، عبید اللہ۔ تاریخ دعوت و جہاد۔ ﷺ ۹۱
12. محمد اکرم شیخ۔ آب کوثر۔ ص ۲۵۸
13. برنی ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۴۱۔۴۴
14. محمد منظور خان جاوید۔ تاجدار اولیلاء۔ ملتان۔ عزیز پرنٹنگ پریس (ت۔ن) ص ۲۶
15. امتیاز حسین شاہ۔ تذکرہ اولیاء ملتان، ص ۶۰
16. محمد اکرم شیخ۔ آپ کوثر، ص ۲۸۵۔۲۸۷
17. محمد اکرم شیخ۔ آپ کوثر۔ ص ۴۲۱